26

ہماری جماعت پر قریب کے زمانہ میں ایک نیا دور آنے والا ہے

(فرمودہ 26 جولائی 1946ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"فرد کی زندگی کی طرح قومی زندگی بھی مختلف مراحل میں سے گزرتی ہے۔ مَیں نے پچھلے سال ڈلہوزی میں ایک خطبہ میں بیان کیا تھا کہ جیسے بچے کی پیدائش کا وقت نازک ہوتا ہے اِسی طرح قوموں کی پیدائش کا وقت بھی بہت نازک ہوتا ہے۔ جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس میں وہ جذبات پیدا نہیں ہوتے جو پیدا ہونے کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ اس فطرتی جذبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ پیدا ہونے کے بعد جو بچہ سانس لے اُس کا جنازہ پڑھا جائے [1] اور جو بچہ سانس نہ لے اُس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ اگر وہ سانس لیتا ہے تو وہ اس دنیا کا جزو بن جاتا ہے اور اُسے اِس دنیا کے لوگوں سے ایک دلچسپی ہوتی ہے۔ گو وہ کلام نہیں کر سکتا لیکن اس کی روح آنکھوں کے ذریعہ سے دوسری روحوں سے ہمکلام ہوتی ہے اور اس کو ایک تعلق اس دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جس کے گھر میں وہ بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اس وقت سے صاحبِ اولاد ہو جاتا ہے اور اس بچہ کے متعلق امیدیں شروع ہو جاتی ہیں۔ ملنے جلنے والے لوگ آتے ہیں اور مبارک باد کہتے ہیں۔ اس حال میں کوئی نہیں جانتا کہ بچہ کیسا ہو گا۔ لیکن جس طرح ایک چیز کا قانونی وجود تسلیم کیا جاتا ہے اِسی طرح بچے کی پیدائش کے بعد اُس کا

قانونی وجود تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ اِسی لئے تو شریعت نے اس کے جنازہ کا حکم دیا ہے۔ اور اگر وہ زندہ رہے تو اسلامی حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جہاں وہ دوسری رعایا کے لئے غذا اور لباس کا انتظام کرے وہاں اس بچہ کی غذا کا بھی انتظام کرے۔ حضرت عمرؓ نے شروع شروع میں دودھ پیتے بچوں کے لئے کوئی وظیفہ مقرر نہیں کیا تھا لیکن بعد میں دودھ پیتے بچوں کا حق تسلیم کر لیا اور حکم دیا کہ اُن کا حصہ اُن کی ماؤں کو دیا جائے۔ پہلے حضرت عمرؓ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک بچہ دودھ پیتا ہے وہ قوم کے وجود میں حصہ نہیں لیتا، اُس کی ذمہ داری اس کی ماں پر ہے پبلک پر نہیں۔ لیکن ایک دفعہ حضرت عمرؓ سیر کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ شہر سے باہر ایک قافلہ بدویوں کا اُترا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ایک خیمہ سے بچے کے رونے کی آواز سُنی۔ بچہ چیخ رہا تھا اور ماں تھپک تھپک کر سُلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب کچھ مدت تک تھپکی دینے کے باوجود بچہ چپ نہ ہوا تو ماں نے بچے کو تھپڑ مار کر کہا روعمرؓ کی جان کو۔ حضرت عمرؓ حیران ہوئے کہ اِس بات سے میرا کیا تعلق ہے؟ حضرت عمرؓ نے اُس عورت سے خیمہ میں داخل ہونے کی اجازت لی اور اندر جا کر اس عورت سے پوچھا۔ بی بی! کیا بات ہے؟ چونکہ وہ حضرت عمرؓ کو پہچانتی نہ تھی اس لئے کہنے لگی بات کیا ہے؟ عمرؓ نے سب کے گزارے مقرر کئے ہیں لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ دودھ پیتے بچوں کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ اب میرے پاس دودھ پورا نہیں اور مَیں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے تا اس کا وظیفہ مقرر ہو جائے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت واپس آئے اور آپ نے خزانے سے آٹے کی بوری نکلوائی اور خود اٹھا کر چلنے لگے۔ وہ آدمی جو خزانہ پر مقرر تھے وہ آگے بڑھے کہ ہم اٹھا کر لے چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا تم چھوڑ دو۔ مَیں خود اُٹھا کر لے جاؤں گا۔ قیامت کے دن جب مجھے کوڑے لگیں گے تو کیا میری جگہ تم جواب دو گے؟ پتہ نہیں کہ اس طرح میرے ذریعہ کتنے بچے مر گئے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ حکم دے دیا کہ دودھ پیتے بچوں کا بھی وظیفہ مقرر کیا جائے۔[2] یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بچے چھٹے ساتویں مہینے ہی روٹی مانگنا شروع کر دیتے ہیں یا اگر ماں کا دودھ کم ہو تو وہ بچے کو حریرہ وغیرہ بنا دیتی ہے اِس لئے حضرت عمرؓ نے قانون میں تبدیلی کر لی اور آپ پر اپنی غلطی ظاہر ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ بچے کا قانونی حق پیدائش سے ہی شروع ہو جاتا ہے نہ کہ ایک دو سال کے بعد

شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو پیدائش سے ہی بچے کا قانونی حق بنا دیا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر سانس لے تو مسلمانوں پر اُس کا اُسی طرح حق ہے جس طرح بڑے آدمیوں کا کہ اس کا جنازہ پڑھا جائے۔ یہ حق اس قسم کا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے بعض آدمی اس حق کو پورا کر دیں تو باقیوں پر سے یہ حق ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی بھی جنازہ نہ پڑھے تو سب مسلمان گنہگار ہوتے ہیں۔ پس بچے کا یہ قانونی حق اللہ تعالیٰ نے پیدائش سے ہی مقرر کر دیا ہے اور رسول کریم ﷺ کے ذریعہ یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ بچہ پیدائش کے بعد اگر سانس لے تو اس کا قانونی وجود مسلمانوں کو تسلیم کرنا چاہئے اور ورثہ میں اُس کا حصہ رکھنا چاہئے۔

پس جس طرح بچے کی پیدائش ہوتی ہے۔ اسی طرح قومیں پیدا ہوتی ہیں۔ کسی قوم کا قانونی وجود تسلیم کئے جانے کے معنے یہ ہیں کہ دنیا اسے قوم تسلیم کر لے اور ملک کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے ردّوبدل میں اس کا ہاتھ ہو۔ ورنہ اگر دس آدمی جمع ہو جائیں تو وہ بھی ایک کمیٹی بنا لیتے ہیں لیکن انہیں دنیا قوم تسلیم نہیں کرتی کیونکہ قومی وجود کے لئے ایک خاص تعداد کی ضرورت ہے۔ اب کمیشن(commission) ہندوستان میں آیا تھا۔ اس نے بعض قوموں کے قومی وجود کو تسلیم کیا اور بعض کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ کمیشن نے اپنے مشوروں میں ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں، اینگلو اِنڈین(Anglo- Indian) اور عیسائیوں کو بلایا۔ لیکن ان کے علاوہ اَور بھی کئی جماعتیں ہیں جو اپنے مستقل وجود کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ان کو نہیں بلایا اور دستور ساز اسمبلی میں تو صرف تین قوموں کو رکھا ہے۔

اینگلو اِنڈین اور عیسائیوں کو ان کی مذہبی اور نسلی حیثیت کے لحاظ سے بلایا تھا۔ سوائے اِن چند اقوام کے باقی تمام قوموں کا انہوں نے قانونی وجود تسلیم نہیں کیا۔ جس طرح انہوں نے شیعہ اور اہل حدیث کو نظر انداز کیا ہے اِسی طرح انہوں نے اچھوت کو باوجود لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے نہیں بلایا۔ اسی طرح انہوں نے ہماری جماعت کو بھی نہیں بلایا کیونکہ انہوں نے ہماری جماعت کا قانونی وجود تسلیم نہیں کیا۔

اِس میں شبہ نہیں کہ سیاسیات کے لحاظ سے اس وقت ہمارا مسلم لیگ سے اشتراک اور اتحاد ہے لیکن بحیثیت جماعت احمدیہ ہم سے لیگ کا کوئی فیصلہ نہیں۔ ہمارا اسمبلی کا ممبر بے شک

مسلم لیگ کے ساتھ شامل ہو گیا ہے لیکن انتخاب کے وقت لیگ نے احمدیوں کو ٹکٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چونکہ ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اِس لئے ہمیں نہیں بلایا گیا۔ مسلم لیگ تو خود ہمیں اپنے ساتھ شامل نہیں کرتی۔ تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسلم لیگ کا حصہ ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ ابھی دنیا ہمارا قانونی وجود تسلیم کرنے کو تیار نہیں اور ہماری تعداد کے لحاظ سے ملکی معاملات اور اقتصادی معاملات میں ہمارا حصہ اتنا چھوٹا اور اتنا تھوڑا ہے کہ دنیا اسے الگ حیثیت دینے کو تیار نہیں۔ دنیا ہماری نسبت یہی خیال کرتی ہے کہ جس طرح دنیا میں بعض اَور سوسائٹیاں ہیں اسی طرح یہ بھی ایک سوسائٹی ہے۔ اس سے زیادہ وہ ہمیں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ اور وہ اِس بات کو نہیں مانتی کہ مستقبل میں اس جماعت کو کوئی بڑی پوزیشن حاصل ہونے والی ہے اور دنیا کے کاروبار میں آئندہ اِس جماعت کا بہت کچھ دخل ہو گا اور وہ اپنے مطالب کو اور مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مؤثر کوشش کرے گی۔ اور دنیا اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتی کہ قریب زمانہ میں ہی اِس جماعت کے ذریعہ کچھ تغیر رونما ہوں گے جو دنیا کو مجبور کریں گے کہ وہ اس جماعت کا قانونی وجود مانے۔ لیکن **مَیں آج یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ وقت بہت قریب زمانہ میں ہی آنے والا ہے کہ دنیا ہمارے قانونی وجود کو تسلیم کر لے گی۔ میرا اندازہ ہے کہ جماعت کی یہ پیدائش بیس پچیس سال کے عرصہ میں ضرور ہو گی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ**۔ کوئی شخص یہ کہے کہ بیس پچیس سال کا عرصہ بہت لمبا عرصہ ہے اور اس عرصہ میں بڑے بڑے تغیرات ہو جاتے ہیں لیکن ایسے شخص کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ افراد کے تغیرات میں اور جماعت کے تغیرات میں بہت بڑا فرق ہے۔ ایک فرد کی پیدائش نو ماہ کے بعد ہو جاتی ہے لیکن جماعتوں کی پیدائش بعض دفعہ سَو سال کے بعد بعض دفعہ دو سو سال کے بعد اور بعض دفعہ تین سَو سال کے بعد ہوتی ہے۔ عیسائیت کی پیدائش دو تین سو سال کے بعد ہوئی۔ لیکن ساری انسانی زندگی بھی دو تین سَو سال نہیں ہوتی۔ گاندھی جی نے لکھا ہے کہ مَیں ایک سَو پچیس سال تک زندہ رہنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان کی یہ بات کہاں تک درست ہو گی لیکن اگر درست بھی ہو تو پھر بھی مسیحی قوم کی پیدائش کی مدت سے یہ کتنی تھوڑی مدت ہے۔ مَیں نے ڈلہوزی میں ہی ایک خبر پڑھی تھی کہ روس کے ایک ڈاکٹر نے

ایک ٹیکا نکالا ہے جس کے متعلق اس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اچھے حالات میں وہ ٹیکا کیا جائے تو وہ ڈیڑھ سو سے تین سو سال تک زندہ رہ سکتا ہے لیکن ڈلہوزی میں ہی مَیں نے اس کے متعلق یہ خبر بھی پڑھی ہے کہ جس روسی ڈاکٹر نے وہ ٹیکا نکالا تھا وہ اس ٹیکا کے متعلق اعلان کے بعد دو تین ہفتے کے بعد ہی خود چونسٹھ سال کی عمر میں مر گیا۔ بہر حال عام انسانی عمر کی اوسط ساٹھ ستّر سال ہے۔ کوئی چالیس سال کی عمر میں فوت ہو جاتا ہے، کوئی پچاس سال کی عمر میں فوت ہو جاتا ہے اور کوئی نوّے سال کی عمر میں فوت ہو جاتا ہے، کوئی سَو سال کی عمر میں فوت ہو جاتا ہے۔ اوسط عمر ساٹھ ستّر سال ہو جاتی ہے لیکن کام کرنے والی جماعتوں کی عمریں افراد کی نسبت بہت لمبی ہوتی ہیں۔ عیسائیت کو پیدا ہوئے اُنیس سو سال ہو گئے ہیں اور یہودیت کو پیدا ہوئے بیالیس سَو سال ہو گئے ہیں۔ پس وہ قومیں جنہوں نے دنیا میں بڑے بڑے تغیرات پیدا کرنے ہوتے ہیں اُن کی پیدائش کا عرصہ بھی لمبا ہوتا ہے اور ان کی جوانی کا عرصہ بھی لمبا ہوتا ہے۔ اسلام کا پہلا دَور ہی تیرہ سو سال کا تھا اور خدا جانے قیامت تک اس کی ترقی کے کتنے دَور آئیں گے۔ اگر قیامت تک تین ہزار سال کا عرصہ سمجھا جائے تو اس کی عمر تینتالیس سو سال کی ہو جائے گی اور اگر چار ہزار سال کا عرصہ سمجھا جائے تو اسلام کی عمر ترپن سَو سال ہو جائے گی۔ اور اگر پانچ ہزار سال کا عرصہ سمجھا جائے تو تریسٹھ سو سال کی ہو جائے گی۔ پس قوموں کی پیدائش کوئی معمولی بات نہیں۔ قومی پیدائش کے لحاظ سے بیس پچیس سال کا عرصہ بہت معمولی عرصہ ہے۔ بیس تیس یا چالیس سال کے عرصہ میں کئی قومیں پیدا ہوتی ہیں اور اسی عرصہ میں مر جاتی ہیں اور ان میں اتنی طاقت پیدا نہیں ہوتی کہ وہ اپنے وجود کو دیرپا بنا سکیں اور دنیا اُن کا قانونی وجود تسلیم کر لے۔

پس ہماری جماعت پر قریب کے زمانہ میں ایک نیا دور آنے والا ہے۔ قریب کا لفظ میں نے جان بوجھ کر بولا ہے کیونکہ قومی پیدائش کے لحاظ سے بیس پچیس سال کا عرصہ بہت ہی معمولی عرصہ ہے۔ اس عرصہ کے بعد ساری دنیا یا دنیا کا ایک حصہ اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ ہماری جماعت کا قانونی وجود تسلیم کرے۔ اُس وقت کے آنے تک بعض چھوٹے چھوٹے دَور جماعت پر آئیں گے۔ بچے کی پیدائش نو ماہ کے بعد ہوتی ہے لیکن اس نو ماہ کے عرصہ میں اس پر

سات دَور گزرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان اَدوار کو بیان فرمایا ہے کہ ابتدا میں بچے کی حالت ایک نقطہ کی ہوتی ہے۔ پھر وہ نقطہ گاڑھا ہو جاتا ہے پھر وہ مضغہ بنتا ہے۔ پھر مضغہ سے گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے۔ پھر ہڈیاں بنتی ہیں۔ پھر اس میں جان پڑتی ہے۔ تو اِس نو ماہ کے عرصہ میں بچے پر سات دَور گزرتے ہیں۔ اسی طرح اس بیس سال کے عرصہ میں بعض سب سیکشنز (Sub Sections) یعنی چھوٹے چھوٹے حصے ہو سکتے ہیں ان میں سے ایک دَور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے معلوم ہوتا ہے اپریل 1948ء تک آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ دَور ہماری جماعت پر کس رنگ میں اثر انداز ہو گا۔ آیا اس عرصہ کو تنظیمی رنگ میں اہمیت حاصل ہے یا اسے اس لحاظ سے اہمیت ہے کہ وہ جماعت کے لئے مصیبت کا عرصہ ہے۔ مَیں نے اپریل 1948ء کہا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ چند مہینوں کا فرق ہو جائے۔ یعنی اپریل کی بجائے مئی، جون یا جولائی تک وہ تغیر پیدا ہو۔ اِتنے لمبے اندازوں میں چند مہینوں کا فرق ہو سکتا ہے۔ پس جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر بھی تغیر پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ جب بھی کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے تو اس میں خیر اور شر دونوں کا خطرہ موجود ہوتا ہے۔ عوام الناس اور جاہل لوگ تغیرات کی پروا نہیں کرتے لیکن حقیقت آشنا لوگ ہر چھوٹے سے چھوٹے تغیر کے وقت گھبرا جاتے ہیں۔ بادل آتے ہیں تو عَوَامُ النَّاس خوش ہوتے ہیں اور بچے گاتے اور اُچھلتے کُودتے ہیں کہ ابھی بادل برسے گا لیکن رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جب بادل آتا تو آپ گھبرا کر کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر آتے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ بادل تو بارش کا پیغام لاتے ہیں اور وہ خوشی کا موجب ہیں آپ کیوں گھبرا جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اِنہی بادلوں سے پہلی قوموں کے لئے عذاب نازل ہوا تھا۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ بادل ہمارے کھیتوں کو سرسبز و شاداب کرے گا لیکن وہی بادل ان کی تباہی کا سامان تھا۔ **3**
اگر آدم سے لے کر آج تک کی تاریخ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی بادل کئی قوموں کی تباہی کا باعث ہوئے۔ حضرت نوحؑ کی قوم کی تباہی بادلوں کے ذریعہ ہوئی۔ عاد کی قوم نے بادل کو دیکھ کر بہت خوشیاں منائیں لیکن وہی بادل اُن کی تباہی کا باعث ہوا۔ وہ بادل ایک ایسی تُند ہوا کی صورت میں ظاہر ہوا کہ جس نے شہروں کو اُلٹ کر رکھ دیا اور آج تک ریت کے تودوں میں سے

آثارِ قدیمہ والے اُن کی بستیاں نکال رہے ہیں۔ جب تک کوئی تغیر پورے طور پر ظاہر نہیں ہو جاتا اُس وقت تک نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مبارک ہو گا یا مُضِر ہو گا۔ پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ ہر تغیر کے وقت زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرے۔ قربانیاں بُری چیز کو بھی اچھی بنا دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ جا کر ان کو سمجھاؤ۔ آپ ان کے پاس گئے اور ان کو سمجھاتے رہے لیکن انہوں نے آپ کا انکار کر دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مَیں نے ان کو ہر طرح سمجھایا ہے لیکن یہ نہیں مانتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جاؤ ان کو تبلیغ کرو اور ان سے کہہ دو کہ اگر نہیں مانو گے تو چالیس دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ حضرت یونسؑ پھر ان کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ شروع کی۔ انہوں نے کہا پہلے تم نے تھوڑی تبلیغ کی ہے کہ اب پھر باسی کڑہی میں اُبال آیا ہے۔ حضرت یونسؑ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے قبول نہیں کرو گے تو چالیس دن کے اندر اندر تم پر ایک سخت عذاب آئے گا جس سے تمہارے مرد و زن تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن انہوں نے اس کے باوجود حضرت یونسؑ کو قبول نہ کیا۔ جب یہ مدت گزر گئی تو حضرت یونسؑ نے دیکھا کہ ایک بادل اُٹھا ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ وہی عذاب ہے۔ آپ اس بستی سے نکل گئے۔ حضرت یونسؑ کی قوم اس بادل کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ پانی برسانے والا بادل نہیں کیونکہ وہ بادل سرخ ہوتا جا رہا تھا اور وہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی بگولا ہے جس میں آگ ہے۔ چونکہ پیشگوئی کا زمانہ بالکل قریب کا تھا وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی بات ہے جو حضرت یونسؑ نے کہی تھی اور یہ بادل ہماری تباہی کے لئے اٹھا ہے۔ انہوں نے فوراً پنچایت بٹھائی کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ پنچایت نے کہا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سارے کے سارے مرد و زن شہر سے نکل چلیں اور باہر چل کر خدا کے حضور گریہ وزاری کریں کہ وہ یہ عذاب ہم سے ٹلا دے۔ اور انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ جانوروں کو بھی چارہ نہ دیا جائے اور مائیں بچوں کو دودھ نہ پلائیں۔ چنانچہ وہ شہر سے نکل گئے اور باہر جا کر انہوں نے جانوروں کو باندھ دیا اور ماؤں نے بچوں کو دودھ پلانا چھوڑ دیا اور سب کے سب دعا میں مشغول ہو گئے۔ اُدھر بچوں نے رونا اور بلبلانا شروع کیا اور جانوروں نے رسّے تڑوانے شرع کئے۔ ان کی تدبیر بہت عقلمندانہ تھی کیونکہ بچوں کا رونا اور چلّانا بہت

رقّت پیدا کرتا ہے۔ مَیں نے اکثر دیکھا ہے کہ مجلس میں سے ایک آدمی رونا شروع کر دے تو سب رونا شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے دس بارہ منٹ تک بالکل خاموشی رہتی ہے جونہی کسی نے ایک چیخ ماری ساری مجلس رونا شروع کر دیتی ہے۔ انہوں نے یہ تدبیر بھی اس لئے کی کہ بچوں کے رونے سے ہمارے اندر رقّت پیدا ہو گی اور دعاؤں میں سنجیدگی اور اخلاص پیدا ہو گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایک کہرام برپا کر دیا اور بہت عاجزی سے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گریہ وزاری کو دیکھ کر فرشتوں کو حکم دیا کہ عذاب کو ٹلا دو۔ چنانچہ عذاب ٹل گیا۔ جب ان سے عذاب ٹل گیا تو انہوں نے ارد گرد کے علاقہ میں کچھ آدمی دوڑائے جو حضرت یونسؑ کی تلاش کریں اور ان کو واپس بلا کر لائیں تا کہ حضرت یونسؑ آکر ان کو ہدایت دیں اور انہیں بتائیں کہ وہ کیا کیا اعمال بجالائیں جن کے بجالانے سے خدا تعالیٰ ان سے خوش ہو۔ لیکن ادھر حضرت یونسؑ ان کو چھوڑ کر دور چلے گئے۔ آپ کو کوئی مسافر اس طرف سے جانے والا ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا بتاؤ نینوا شہر کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ لوگ بالکل راضی خوشی ہیں۔ اس مسافر کو کیا معلوم تھا کہ نینوا کے متعلق عذاب کی پیشگوئی تھی اور انہوں نے گریہ وزاری کر کے اس عذاب کو ٹلا دیا ہے۔ جب اس مسافر نے حضرت یونسؑ کو بتایا کہ وہ لوگ راضی خوشی ہیں تو حضرت یونسؑ کو بہت صدمہ ہوا کہ اب مَیں کس طرح اپنی قوم کو منہ دکھاؤں گا۔ جب مَیں ان کے سامنے جاؤں گا تو وہ کہیں گے تم کتنے جھوٹے ہو۔ تم نے کہا تھا کہ چالیس دن تک عذاب آئے گا لیکن عذاب نہیں آیا اور ہم عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضرت یونسؑ نے گِلے کے طور پر خدا تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا کہ مَیں تو تیرے رحم سے پہلے ہی جانتا تھا کہ تُو نے ان لوگوں کو چھوڑ دینا ہے اور مَیں ہی ان لوگوں کے سامنے ذلیل ہوں گا۔ اب اس حال میں مَیں اپنی قوم کے پاس نہیں جا سکتا۔ یہ کہہ کر آپ سمندر کی طرف گئے اور اپنی قوم سے دور جانے کے لئے کشتی میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی چلی، سمندر میں ایک زبردست طوفان آیا۔ اس زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ کشتی سمندر میں اس لئے طوفان سے ڈگمگاتی ہے کہ کشتی میں کوئی چور ہو یا کوئی غلام اپنے مالک سے بھاگ کر جا رہا ہو۔ جب طوفان آیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کشتی میں ضرور یا تو کوئی چور ہے یا کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ اس پر حضرت یونسؑ نے

اپنے آپ کو پیش کیا کہ بھاگا ہوا غلام مَیں ہوں لیکن کشتی والوں نے کہا۔ ہم نہیں مانتے کہ آپ بھاگ کر جارہے ہیں۔ آپ تو بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر انہوں نے قرعہ اندازی کی تو حضرت یونسؑ کا نام نکلا۔ اس پر بھی وہ خاموش ہو گئے۔ لیکن جب دیکھا کہ طوفان نہیں چھوڑتا اور کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے تو انہوں نے حضرت یونسؑ کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا۔ جونہی انہوں نے آپ کو سمندر میں پھینکا آپ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مچھلی نے نگل لیا اور دو تین دن اپنے اندر رکھنے کے بعد ایک جگہ کنارے پر پھینک دیا۔ باہر جس جگہ آپ کو مچھلی نے پھینکا وہاں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حلوہ کدو کی بیل نکل آئی۔ آپ اس کے سائے کے نیچے لیٹے رہے۔ چونکہ آپ کو دو تین دن ہوا نہیں ملی تھی اس لئے آپ کو بہت کمزوری ہو گئی تھی۔ آپ نے کدو کا پانی پیا اور اس کی بیل کے سایہ میں پڑے رہے۔ ☆ دو چار دن کے بعد کسی کیڑے نے اس بیل کی جڑ کاٹ دی اور وہ سوکھ گئی۔ حضرت یونسؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ بیل میرا سہارا تھی اور مَیں اس سے آرام حاصل کرتا تھا۔ اس بدبخت کیڑے نے اس کو کاٹ کر مجھے تکلیف میں ڈالا ہے۔ ابھی حضرت یونسؑ انہی خیالات میں تھے کہ آپ کو الہام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے یونس! ہم نے تمہیں سبق دینے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ بیل تم نے اگائی نہیں تھی اور نہ ہی تمہارا کچھ اس پر خرچ ہوا تھا۔ صرف تم اس سے آرام حاصل کرتے تھے۔ وہ سوکھ گئی تو تمہیں تکلیف ہوئی اور تم نے کیڑے پر غصہ کا اظہار کیا۔ یونس! ایک بیل جس کو تم نے پیدا نہیں کیا اس کے سُوکھ جانے سے تمہیں اس قدر صدمہ ہوا ہے پھر تم مجھ سے کس طرح امید کرتے تھے کہ مَیں جس نے اس ہزاروں ہزار مخلوق کو پیدا کیا ہے تمہیں خوش کرنے کے لئے اسے مار ڈالتا۔4 باوجود اس کے کہ وہ توبہ کررہے تھے۔ تمہاری قوم نے توبہ کی تھی۔ جاؤ اور جاکر ان کو ہدایت دو۔ پس حضرت یونسؑ اپنی قوم کی طرف لَوٹے۔

☆ کل ہی مجھے خیال آیا ہے کہ کدو کا تیل بھی دماغ کی طاقت کے لئے مفید ہے اور حلوہ کدو اگر پکا کر کھایا جائے تو وہ بھی دماغ کو اور بدن کو تقویت دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حلوہ کدو میں کچھ اَور بھی خصوصیات ہیں تبھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے لئے اس کی بیل نکالی۔ پس دماغی اور جسمانی طاقت کے متعلق کدو کی طرف اطباء کو توجہ دینی چاہئے۔

جب وہ اپنی قوم کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ کی بہت قدر کی۔

تو جب اللہ تعالیٰ نے تضرع اور گریہ وزاری کے نتیجہ میں غیر مشروط عذاب کو ٹال دیا تھا تو وہ ہم سے کیوں اِس تغیر کے بعد شر کو نہیں روک سکتا۔ اور ہمارا یہ زمانہ تو خیر والا ہے عذاب کا زمانہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جماعتوں کے لئے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ابتلا ہوتے ہیں۔ جن میں ثابت قدمی دکھانے کے بعد ان کے لئے انعامات ہوتے ہیں۔ لیکن اگر یہ صورت نہ بھی ہو تب بھی ہمارے سامنے نینوا کی مثال موجود ہے کہ باوجود بڑی زبردست پیشگوئی کے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ٹلا دیا۔ پس ہم کو قربانیوں کے ذریعہ اِس تغیر کو نیک بنا دینا چاہئے۔ بے شک ہر چکر کامیابی کا ایک نیا میدان پیش کرتا ہے اور بغیر چکروں کے ترقی نہیں ہو سکتی لیکن ہر چکر اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے مناسب حال قربانی کی جائے۔ اور جو قومیں قربانی کرنے سے گریز کرتی ہیں وہ نئے چکر کے آنے پر گر جاتی ہیں اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتیں۔

پس ہماری جماعت کو زیادہ سے زیادہ قربانیاں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے اس تغیر کو نیک بنائے۔ ایک سال گزر گیا ہے اور چار سال باقی ہیں۔ پانچ میں سے ایک سال گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ کُل کا بیس فیصدی گزر گیا ہے اور بیس فیصدی کوئی معمولی چیز نہیں۔ پس دوستوں کو غفلت کو ترک کرتے ہوئے ہوشیار ہو جانا چاہئے اور اپنی تنظیم کو ہر رنگ میں مکمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر تو یہ خیر کا دَور ہے تو ہماری قربانیاں اسے زیادہ خیر کا دور بنا دیں گی اور اگر شر کا دَور ہے تو وہ ہماری قربانیوں سے نیک بن جائے گا۔

جن قوموں میں کثرت سے نشانات ظاہر ہوتے ہیں ان میں مساوات کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں سے نشانات کی قدر کم ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں کثرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً خربوزہ اور آم یہاں کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ راستے پر ٹوکروں کے ٹوکرے ان کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں اور پاس سے گزرنے والا انہیں نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ لیکن یہی چیزیں انگلستان میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور وہ انہیں اس طرح سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں جس طرح ہیروں اور موتیوں کو سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔

اور جس دن وہ ان کو کھاتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتے ہیں گویا اُن کے لئے عید آئی ہے لیکن ہمارے ہاں غریب سے غریب آدمی بھی پیسے بٹی یا دو پیسے بٹی خربوزے لے کر کھالیتا ہے اور اسے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی نئی چیزیا کوئی نیا پھل کھایا ہے۔ یہی حال ان قوموں کا ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت سے انعام ہوتے ہیں۔ انعامات کی کثرت کی وجہ سے ان کے دلوں میں ان انعامات کی قدر کم ہو جاتی ہے اور جب ان کے سامنے خدا کا کوئی نشان بیان کیا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں یہ باتیں تو ہم ہر روز سنتے رہتے ہیں۔ لیکن حقیقی مومن کا طریق یہ نہیں۔ وہ ہر انعام کی قدر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پہلے تمام نعماء اور تمام احسانات کو شمار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں جنتیوں کے متعلق آتا ہے کہ وہ اس نگاہ سے نعمت کو نہیں دیکھیں گے کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے یہ ایک نعمت دی ہے بلکہ اس نگاہ سے دیکھیں گے کہ یہ نعمتوں کی کڑی میں سے ایک کڑی ہے۔ موتی اپنی جگہ بے شک بہت قیمت رکھتا ہے لیکن ہار کی قیمت ایک موتی کی قیمت سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جب بھی ان پر کوئی انعام ہو گا تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ اس کا یہی ایک انعام نہیں ہوا بلکہ اس نے ایک لمبا سلسلہ انعاموں کا ہمارے لئے جاری کیا ہے۔ پس مومن اللہ تعالیٰ کے انعامات کا عادی نہیں ہو جاتا کہ نئے انعام کے وقت اسے یہ محسوس ہی نہ ہو کہ اس پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا ہے بلکہ جب بھی اس پر اللہ تعالیٰ کوئی انعام کرتا ہے تو وہ اگلے پچھلے سب انعاموں کو یاد کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب بھی جنتیوں کو کوئی انعام دیا جائے گا تو وہ کہیں گے هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ 5 کہ یہ اب پہلی دفعہ انعام نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی فلاں فلاں موقع پر اللہ تعالیٰ نے ہم پر ایسے ہی انعامات کئے تھے۔ یعنی جب جب ان کو کوئی نعمت ملے گی تو وہ کہیں گے کہ خدا تعالیٰ کا ایک اَور احسان نازل ہوا۔ غرض جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کثرت سے نشان ظاہر ہوں اُس وقت مومنوں کا بھی یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان نشانات کی قدر کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ قربانی کریں۔ ورنہ آہستہ آہستہ نشانات کے متعلق قوم میں بے توجہگی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسانات اور انعامات کا سلسلہ شروع ہو تو پھر اِس بات کو نہیں دیکھا جاتا کہ یہ انعام بڑا ہے اور یہ انعام چھوٹا ہے۔ ہر آنے والا

انعام پہلے انعام سے بڑا ہوتا ہے۔ فرض کرو ایک شخص کے پاس دس روپے کا نوٹ ہے لیکن اگر اس میں ایک چوّنی بھی شامل کر دی جائے تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ گو چوّنی دس روپے سے چھوٹی ہے لیکن اس نے بھی دس روپے کے ساتھ مل کر اس میں زیادتی پیدا کر دی۔ پس کسی نشان اور کسی انعام کو چھوٹا نہیں سمجھنا چاہئے۔

ہماری جماعت کے لئے یہ زمانہ بہت نزاکت کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بارش ہو رہی ہے۔ اگر جماعت ان کی کَمَاحَقُّہٗ قدر نہ کرے گی تو یہ بات اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو گی۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے انعامات کی اتنی قدر کرتے تھے کہ جب بارش کے قطرات گرتے تو بعض دفعہ آپ اپنی زبان باہر نکالتے اور اُس پر قطرات گراتے اور آپ فرماتے۔ دیکھو میرے رب کی تازہ نعمت۔6 جب آپ پانی کے ایک قطرے کی اِتنی قدر کرتے تھے تو باقی نعماء کی قدر آپ کتنی کرتے ہوں گے۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو چشمہ کا چشمہ بھی پی جائیں تو بھی ان کے منہ سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہیں نکلتا۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی تحقیر کر کے اپنا انجام خود خراب کرتے ہیں۔ پس ہماری جماعت کو اپنے اندر روحانیت پیدا کرنی چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے نشانات کی قدر کرنی چاہئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نشانات کی جتنی قدر کریں گے اُتنا ہی آپ کا ایمان بڑھے گا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ آپ نشانات کی قدر کریں اور آپ کا ایمان نہ بڑھے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ میں ایمان ہو اور آپ نشانات کی قدر نہ کریں کیونکہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جتنا کسی میں ایمان ہو گا اُتنا ہی وہ نشانات کی قدر کرے گا۔" (الفضل 9 اگست 1946ء)

1: ترمذی ابواب الجنائز باب مَا جَاء فِی تَرْكِ الصَّلوٰةِ عَلَى الطِّفْلِ حَتّٰی یَسْتَهِلَّ

2: کنز العمال جلد 12 صفحہ 648، 649۔ مطبوعہ حلب 1974ء، طبقات ابن سعد جزء ثالث صفحہ 301 مطبوعہ بیروت 1985ء

3: ابو داؤد کِتَابُ الْاَدَب باب مَا یَقُوْلُ اِذَا هَاجَتِ الرِّیْحُ

4: یوناہ باب 1 تا 4

5: البقرۃ: 26

6: ابو داؤد کِتَابُ الْاَدَب بَابٌ فِی الْمَطَر